شاہ ولی اللہؒ اور ان کی بعض علمی خصوصیات

(۳)

از مولانا سید ابوالنظر رضوی امروہوی

قانون ربوبیت یا روح

روح کے متعلق علماء کا عام اتفاق ہے کہ اس کی حقیقت کوئی معلوم نہیں کرسکتا۔ قرآن نے روح کو "امر ربی" سے تعبیر کرکے علماء کے نزدیک خلوت کدۂ راز تک رسائی حاصل کرنے کا ہر راستہ بند کردیا۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اگر اس فقرہ کا ترجمہ سادہ الفاظ میں "خدا کا حکم" کیا جائے تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کچھ مطلب نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے شاید پہلی مرتبہ یہ چیلنج کیا کہ

لیست الآیۃ نصاً فی انہ لا یعلم احدٌ من الامۃ المرحومۃ حقیقۃ الروح کما یظن ولیس کل ما یسکت عنہ الشرع لا یمکن معرفتہ البتۃ بل کثیراً ما یسکت عنہ لاجل ان معرفتہ دقیقۃ لا یصلح لتعاطیھا جمھور الامۃ و ان امکن لبعضھم (حجۃ اللہ البالغۃ ص۲)

آیت میں اس نکتہ کی کوئی وضاحت نہیں پائی جاتی کہ کوئی مسلمان روح کی حقیقت نہیں معلوم کرسکتا جیسا کہ عام طور پر علماء کا گمان غالب ہے اور نہ یہ درست ہے کہ ہر وہ چیز جس کو شریعت نہ بتائے کوئی اس کا علم حاصل نہیں کرسکتا بلکہ اکثر اس لئے خاموشی اختیار کی جاتی ہے کہ وہ نازک ترین مسئلہ ہوتا ہے اور عام لوگ اسے نہیں سمجھ سکتے۔ اگرچہ کچھ حضرات کے لئے ممکن ہو۔

اور نہ صرف تحدی کی بلکہ روح کے تمام ارتقائی منازل اور اس کے تمام جزئیات کو حجۃ اللہ البالغہ میں بیان بھی کر دیا گیا۔

میں چاہتا ہوں کہ مختصر الفاظ میں بصیرت کے لئے کچھ اور بھی اضافہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ شاہ صاحبؒ کے اس انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیت کو اگر روح کی حقیقت نہ معلوم کر سکنے کے لئے نص صریح نہیں خیال فرماتے تو دوسری طرف ان کا یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ روح کی حقیقت اس ہی آیت میں بتادی گئی ہے۔ حالانکہ میرا نظریہ[۱] یہ ہے کہ قرآن نے اس ہی آیت میں "علم قلیل و مجمل" کی حد تک روح کی حقیقت پر روشنی ڈالی ہے۔

"امر" قرآن کی اصطلاح میں حیات انفرادی یا اجتماعی کے قانون کا دوسرا نام ہے اور "ربی" سے مقصد شخصی اور انفرادی ربوبیات کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ جس کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہوا کہ انفرادی ربوبیت و پروردگاری کے قوانین کی زائیدہ لطیف قوت کو قرآن "روح" سے تعبیر کرتا ہے جو مختلف عوالم و نشأت میں گوناگوں نوعیتوں اور نئے نئے بھیس میں نافذ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر قرآن کا یہ دعویٰ درست ہے کہ اس نے تھوڑا سا علم روح کے بارے میں کائنات انسانی کو دیا ہے تو اس کے کوئی معنی نہیں کہ وہ "ما اوتیتم" کے ذریعہ ایک حد تک علم دینے کا وعدہ کر کے قطعاً خاموش ہو جائے اور اتنا علم بھی دینے سے گریز کرے جو انسانی فطرت کو سپرد کیا جا چکا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ ہمارے مجدد علم و حکمت نے اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی بات صاف طور پر نہیں بتائی۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روح اور قانون ربوبیت کے درمیان جو ذہنی اور عملی نسبت کام کر رہی ہے اس سے شاہ صاحبؒ کا دل و دماغ ناآشنا نہ تھا چنانچہ وہ اپنی تصنیفات میں متعدد مقامات پر ان تمام پہلوؤں کو روشنی میں لے آئے ہیں جو روح

---

[۱] "موت اور نظریہ قرآن" کے عنوان سے میں نے جو مضمون لکھا ہے اس میں تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ یہاں مکمل بحث کرنے سے مجبور ہوں۔ ابو النظر رضوی۔

کو قانونِ ربوبیت کا نتیجہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہو سکتے تھے۔ مثلاً انھوں نے حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۷ پر روح کی تعریف قوتِ حیات (روانہ یکون حیا بنفخ الروح فیہ "جس کے پھونک دیئے جانے پر آدمی زندہ ہو جاتا ہو) بتانے کے ضمن میں یہ بھی تسلیم کر لیا کہ نسمہ یا روح حیوانی، روح سماوی کا ایک طبقہ ہے خواہ نچلا ہی طبقہ کیوں نہ ہو یعنی روح کے مدارج اور اس کے مختلف پہلو تسلیم کر لئے پھر مزید اضافہ کرتے ہوئے انھوں نے تفہیمات الٰہیہ میں صاف لکھدیا کہ "چوں دریں روح خوض کنیم سہ جزوی یابیم تو بر تو"۔ ؎۱

اس کے بعد پھر یہ بھی بتادیا کہ حیاتِ شخصی کا وجود تنہا نفخ روح ہی سے وابستہ نہیں بلکہ اوضاعِ فلکی اور استعداداتِ ارضی بھی زندگی کے لئے وہی کام انجام دیتی ہیں جو روح کے لئے مخصوص خیال کیا جاتا ہے"

تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں "پس بعد مدتہا بعض اوضاع فلکی مقتضی آں شد کہ منفسر گردد صورت انسانِ کلی بافرادے کہ اوضاع فلکی و استعداداتِ ارضیہ دریں دورہ تقاضائے آں خواہند کرد پس متمثل شد کہ دریں وضع و دریں استعداد اگر انسان پیدا شود ایں نفس خواہد بود و اگر دراں وضع و دراں استعداد موجود شود آں نفس خواہد بود و آنچہ بر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ظاہر بودہ نسخہ بود ازیں کتاب۔ ؎۲

دوسری جگہ بھی تفہیماتِ الٰہیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ؎۳

وثالثاً یقضی بوجودھم (ای العباد)	اور تیسرے کسی انسان کو پیدا کرنے کا خدائی فیصلہ اس
اذا تھیئات الاسباب جمیعاً	وقت کیا جاتا ہے جبکہ تمام ارضی اور سماوی اسباب و
ارضیتھا و سماویتھا ویعبر عنہ	علل اس کے پیدا کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہو چکے
بنفخ الروح وکلما قضی بوجود	ہوں اور اس ہی کا دوسرا نام روح پھونکنا ہے نیز یہ
اتحدت الوجودات السابقۃ معہ	کہ جب کبھی کسی ہستی کی پیدائش کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے

؎۱ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۲۴۷۔ ؎۲ ایضاً۔ ؎۳ ایضاً ج ۱ ص ۱۲۶

فاکثر اصحاب الوجدان لایمیزون بینھا لاجل ھذا الاختلاط۔

تو اس کے تمام مجرد اور مثالی اجزائے وجود باہم دگر متحد ہو کر نمایاں ہوتے ہیں۔ اور اس ہی اتحاد و اختلاط کی وجہ اکثر صاحب باطن حضرات بھی تمیز نہیں کر سکتے۔ اور نفس و روح کو ایک ہی خیال کرنے لگتے ہیں۔

اس ہی پہلو کو ایک تیسری جگہ صاف فرمایا ہے اور قانونِ ربوبیت کے بر سرِ کار آنے کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثالثاً بعد ازاں چوں اسباب علویہ و سفلیہ باں منجر شدند کہ آں قدر بقضاء برسد واز قوت بفعل آید انسانِ مقدر انسانِ خارجی گشت و جمیع احکام او نمایاں شدند و بالفعل تربیت رب العالمین بہ نسبت نوع انسان و احکام خاصۂ او درکار آمد۔

ان تمام عبارات سے مجملاً اتنی بات ضرور آپ کے ذہن نشین ہو گئی ہو گی کہ قرآن جس حقیقت کو روح سے تعبیر کرتا ہے وہ کوئی تنہا جوہری حقیقت نہ تھی جسے کسی ایک لفظ سے ادا کیا جا سکتا بلکہ اس کے طبقات و مدارج اور اجزاء مختلط ہیں یکے بعد دیگرے۔ پھر ان مدارج کا وجود نہ معلوم کتنے سماوی و ارضی اسباب کے مہیا ہو جانے پر موقوف ہے۔ اندازۂ الٰہی کی قضا اور اس کے حکم کا نفاذ جو ہمیشہ اپنی جگہ پر کلّی[1] اور عام حیثیت ہی رکھتا ہے اس وقت تک انفرادی حیات پر نفاذ پذیر نہیں ہوتا جب تک کہ تخلیق حیات کے

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد ثانی ص ۱۴۷ پر امرِ الٰہی کی عمومیت کے بارے میں شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں "وسر ذلک ان الامر الماخوذ من منبع القدر لا یکون الا علی وجہ کلی عام ثم التشخص بحسب المعدات (تسخیر کواکب اور نفوسِ ناطقہ کا راز یہ ہے کہ جو حکم یا قانون اندازۂ الٰہی کے مرکز سے نافذ ہوتا ہے وہ کبھی عمومیت کے علاوہ شخصی پہلو لئے ہوئے نہیں ہوتا۔ کسی خاص شکل و صورت کا تعین خارجی اسباب کی زائیدہ استعداد پر مبنی ہوتا ہے) اس سے تین باتیں ثابت ہو گئیں۔ (۱) خدا کا حکم ہمہ گیر قانون سے ہرگز کم نہیں ہوتا۔ (۲) قانونِ پروردگاری کی تکمیل اور اس کا تعین مادی اور غیر مادی اسباب و علل ہی کرتے ہیں اور اس طرح شخصی روح استفادۂ ربوبیت و ارتقا میں اسباب کی اتنی ہی محتاج ہے جتنی کہ اس روح کی جسے ہم اپنی زبان میں "روح" کہتے ہیں۔ (۳) امرِ الٰہی خواہ ربوبیت کا مظہر ہو یا دوسری صفات کا۔ ہر نوع تشخص اور خاص ہیئت اختیار کر سکنے کے لئے (باقی صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

۰تمام لوازم واسباب تہیہ طوفان نہ کرلیں جو زمین وآسمان کی پہنائیوں میں گم تھے یعنی شخصی وجود کے لئے تمام کائنات کو حرکت کرنا پڑتی ہے اور اس لئے وہ تمام گوناگوں نتائج ہی دراصل شخصی روح کہلائے جانے کے مستحق ہیں جن کا تعلق کائنات علوی یا سفلی کے اسباب وعلل سے ہوسکتا ہے اور یہ ہی وہ ربوبیت خاصہ کا قانون تھا جسے قرآن نے روح یا "امر رب" سے تعبیر کیا ہے اور جس کی پروردگاری کی طرف ہمارے شاہ صاحب نے "بالفعل تربیت رب العالمین" سے اشارہ فرمایا ہے۔ لہٰذا شاہ صاحب کا صاف الفاظ میں میرے نظریہ کی تائید نہ کرنا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ میرے نظریہ کی روح سے بھی ان کو انکار یا اختلاف ہے۔ تفصیلات میں جانے سے معذور ہوں ورنہ شاید علم وادراک کی تشنگی بجھانے کا اس سے کہیں زیادہ سامان فراہم کرسکتا تھا۔

وحدت الوجود اور مجدد الف ثانی گا نظریہ

ہمارے ڈاکٹر فاروقی امروہوی جنھوں نے پچھلے سال اس ہی جدید ترین عنوان پر ایک بہترین مقالہ مرتب کرکے علیگڈھ یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے انھیں یہ معلوم ہوکر تعجب ہوگا کہ جس نظریہ کو وہ شاہکارِ علم ودانش محسوس کررہے تھے۔ ہمارے مجدد کی نگاہ میں وہ بھی تسامحات سے خالی نہیں۔ نہ صرف اتنا ہی ہے بلکہ اس سے بھی بہتر نظریہ پیش کیا جاسکتا تھا، اور کردیا گیا چنانچہ شاہ صاحب اس موضوع پر روشنی ڈالتے ہوئے کہ جب خدا حیاتِ انسانی کا کوئی پہلو درست کرنا چاہتا ہے تو اس زمانے کے ماحول کا لحاظ رکھتے ہوئے کسی نہ کسی شخص کے دل میں اس ہی پہلو کو درست کرنے کا جذبہ بیدار کردیتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ ص ٨) وہ دوسرے اسباب کا قانونِ الٰہی کے تحت ہی محتاج ہے۔ براہ راست امر الٰہی شخصی ہیئت کا تقاضہ نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شخصی روح کا ہر پہلو کسی ایک مجرد حقیقت کا رہینِ منت نہیں بلکہ تعمیر وتخریب کے نامعلوم کتنے انقلابات اور قوانین کا زائیدہ ہے جس کی تعبیر "امر ربی" سے بہتر نہیں ہوسکتی۔ انسانی فطرت اور انسانی علوم اس سے منہ تر پرواز کرنے کے ناقابل ہیں اور ہمیشہ ناقابل رہیں گے۔ یہ ہی قرآن کا دعویٰ تھا۔ (ابوالنظر رضوی)

وهذا الشأن الذی نحن فیه وبحسب قیم هذه الدورة واما مهاان السابقین توغلوا فی وحدت الوجود ورجعت معرفتهم الی الله فانعقد فی الملاء الاعلیٰ علم وهو بیان الفرق بین التنزل الذی هو اتحاد حقیقی وتغائر اعتباری وبین التنزل الذی هو تغائر حقیقی واتحاد اعتباری وجاء الشیخ المجدد فجام حوله فقال مرة العالم موجود خارجی وقال مرة اخری العالم موهوم متقن وقال مرة العالم ظل الاسماء ولم یتبین الامر علی ما هو علیه فجاء قیم الدورة فکشف حقیقة الامر۔ [1]

اگر آپ قدرت کی اس نیرنگی کے ذریعہ مذکورہ بالا قانون الٰہی کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں جس میں آج ہم سانس لے رہے ہیں اور اس نقطۂ نگاہ سے جو اس زمانہ کا مصلح اعظم رکھتا ہے تو اس مثال سے سمجھ لیجئے کہ چونکہ اگلے وقت کے لوگ وحدت الوجود کے مسئلہ میں بہت غلو کرنے لگے تھے اور ان کی تمام حقایق شناسی کا مرکز تنہا ذات سرمدی رہ گئی تھی اس لئے ملاءِ اعلیٰ (قولئے مجردہ نافذہ کا مرکز) میں یہ طے کیا گیا کہ تنزلات (مظاہر الوہیت) کے مختلف پہلوؤں کے درمیان نازک فروق کا علم کائناتِ انسانی کو دیا جائے تاکہ وہ اتحاد و بیگانگی کے حقیقی اور غیر حقیقی حدود کا تعین کر سکے۔ اس غرض کو پورا کرنے کے واسطے مجدد الف ثانی کو منتخب کیا گیا چنانچہ وہ اس علم کے چاروں طرف گردش کرنے لگے۔ کبھی دنیا کو انھوں نے واقعی خارج میں وجود رکھنے والا بتلایا۔ کبھی خدا کا ایسا وہم و تخیل جو مضبوط ہونے کی وجہ سے ناقابل انکار ہو اور کبھی خدا کے ناموں کا پرتو قرار دیا اور اصل راز نہ بتا سکے کیونکہ مغز سخن تک نہ پہنچ سکے تھے۔ پھر اس زمانہ کا مجدد آیا اس نے اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیا۔

---

[1] تفہیماتِ الٰہیہ ج ۱ ص ۱۰۱

شاہ صاحب کا منشا یہ ہے کہ خالق و مخلوق کے درمیان جو یگانگت و بیگانگی ہے اس کے نازک فروق اگرچہ مجدد صاحب نے ایک حد تک ضرور بتائے لیکن نہ اصل حقیقت کو بے نقاب کر سکے نہ کسی ایک نظریہ کو قائم۔ کبھی کائنات مادی کا ذہن سے باہر ٹھوس وجود بتاتے ہیں۔ اور کبھی برکلے کے رنگ میں جیسا کہ اس نے "مبادیاتِ علمِ انسانی" میں بتایا ہے۔ دنیا کو قدرت (نیچر) یا بالفاظ دیگر خدا کا ایک ایسا تخیل یقین کرتے ہیں۔ جس کو مٹا دینا، بھلا دینا اور ٹھکرا دینا انسانی طاقت سے باہر ہو اور کبھی اپنے مکتوبات میں تیسرا رنگ اختیار کرتے اور دنیا کو خدا کے اسمائے گرامی کا پرتو اور مظہر قرار دیتے ہیں۔ بہرحال کوئی آخری فیصلہ نہ کر سکے کیونکہ مجدد صاحب کے زمانہ کا تقاضہ اس ہی حد تک حقائق کو بیان کر سکنے کا تھا۔ چنانچہ محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر انبیا بھی مقتضیاتِ زمانہ کی حد تک ہی حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کو روشنی میں لاتے رہے اور مکمل حقیقت کی نقاب کشائی ہمارے پیغمبر کے سوا کوئی دوسرا نہ کر سکا۔ یہ ہی حال مجدد صاحب کا تھا۔ صحیح حقیقت کو مکمل طور پر دنیا کے سامنے رکھنا شاہ صاحب ہی کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔

اب رہا یہ معاملہ کہ خود شاہ صاحب کا کیا نظریہ ہے اس کے واسطے ایک مستقل تصنیف یا ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے تاکہ نازک علمی فروق بیان کئے جا سکیں۔ اس لئے صرف اتنا ہی بتانے پر اکتفا کرتا ہوں[1] کہ اس مسئلہ وحدت الوجود میں اگرچہ مجدد صاحب کا نظریہ دوسروں سے مختلف تھا لیکن شاہ صاحب کی علمی خصوصیت یہ ہے کہ ایسے نازک مسائل میں بھی انھوں نے اپنے لئے ایک نیا راستہ تلاش کر لیا۔

---

[1] شاہ صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں اس مسئلہ پر گوناگوں پہلوؤں سے بحث کی ہے۔ جس کا استقصا اس مختصر مضمون میں نہیں کیا جا سکتا مگر مذکورہ عبارت ہی سے اتنی چیز ضرور صاف ہو جاتی ہے کہ وہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کے درمیان اصل حقیقت تسلیم کرتے ہیں۔ ایک اعتبار سے ان کے نزدیک اتحاد حقیقی ہے اور تغایر اعتباری ہے اور ایک پہلو سے اس کے برعکس۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ابداعِ تکوینی پر اگر غور کیا جائے خواہ ارادان یقول کن فیکون" کی قوتِ ارادیہ کو سرچشمہ تسلیم کرتے ہوئے (باقی صفحہ ۱۲ پر ملاحظہ ہو)

مادہ نہیں ہیولیٰ قدیم ہے

کائنات مادی قدیم ہے یا حادث اس مسئلہ پر بہت کچھ اختلافات ہیں مگر ہمارے مجدد نے اس بارے میں بھی ایسا محاکمہ کیا ہے کہ دونوں نظریات کا توازن جہانتک برابر کیا جا سکتا تھا اس میں نہ کوئی کمی کی گئی نہ رعایت۔ جس سے بآسانی اس چیز کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دونوں طبقات کے لئے ایک نہ ایک بنیاد ضرور تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک جانب حق ہی حق ہوا اور دوسری طرف باطل ہی باطل۔ فرماتے ہیں

اذا تمہد ھذا فاعلم ان حقیقتہ	اس تمہید کے بعد میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ جسم
الجسم بسیطتہ من وجہ مرکب	کی حقیقت ایک اعتبار سے بسیط و مجرد ہے اور
من وجہ واختلاف الوجوہ	دوسرے لحاظ سے مرکب اور انھیں گوناگوں اعتبارات
ھوالسبب لاختلاف القوم و	نے محققین کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ جسم کی حقیقت
ھوالعماء فی لسان الشرع	کو مذہب کی زبان میں عما کہتے ہیں اور وہ ایک
وھو طبیعۃ ھیولانیۃ	ایسی طبیعت ہیولانی ہے جس کے سانچہ پر ہر روحانی
قابلۃ لجمیع الصور الروحانیہ	اور جسمانی شکل ڈھالی جا سکتی اور اس کی پلیٹ پر
والجسمانیہ	ہر تصویر اتاری جا سکتی ہے . . . .
والعماء قدیم الزمان حادث	یہ عما ہمیشہ سے ہے مگر ذات سرمدی کو سرچشمہ مانتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱) یا صحیح معنی میں عدم محض سے وجود کے پیدا نہ ہو سکنے کے اعتبار سے تو لازمی طور پر ایک گونہ اتحاد حقیقی تسلیم کرنے کے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ علیٰ ہذا دوسرے پہلوؤں سے تغائر بھی تسلیم کرنا پڑے گا۔ اور یہ ہی وہ حقیقت وسطیٰ ہے جس تک مجدد الف ثانیؒ نہ پہنچ سکے۔ حالانکہ اس کے چاروں طرف گردش کرتے رہے۔ مجدد صاحب کی گوناگوں تعبیرات کو ارتقائی مراحل کا نام دینا جیسا کہ ڈاکٹر فاروقی نے تحریر فرمایا ہے کم از کم دو مرحلوں تک ان کے مشاہدات کو یکسر غلط قرار دینا ہے اور جس کے دو مرحلے یکسر فریب خوردگی میں گزرے ہوں اس کے تیسرے مرحلہ پر کیا اعتماد؟ شاہ صاحب نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے وہ ان کے مشاہدات کو غلط نہیں قرار دیتا۔ (ابو النظر رضوی)

بالذات ... وقدم العماء لا یخدش اتفاق الملل علی حدوث العالم المفسر بماسوی الله وذلك لان الانیة الاولی تحلت فی العماء فظهر هنالك لهذا التجلی احکام تسمی باحکام الوجوب فلسان الملل ان هذه الحقیقة الظاهرة من اسماء الله تعالی و صفاته وانها لیست عین الذات من کل وجه ولا غیرها من کل وجه وانها قدیمة الزمان حادثة بالذات من جهة انها موجودة بالذات الالهیة فیظهر من هذا البیان ان العالم لا یطلق عندهم علی العماء نفسه بل علی العماء من حیث تظهر فیه حقائق امکانیة فتدبر۔ (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۵۷)

ہوئے .... عماء کے قدیم ہونے پر تمام اقوام وملل کے اس متفقہ فیصلہ کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا کہ خدا کے سوا تمام عالم حادث ہے کیونکہ سب سے پہلے تعین یا ظرفیت کی نمائش عماء ہی کے ذریعہ ہوئی تھی اور اس اولیت و تقرب کی بنیاد پر تجلی پذیرفتہ "عماء" میں بعض ایسی خصوصیات پیدا ہو گئیں جو وجوب یا قِدم کا پہلو رکھتی تھیں۔ ساری دنیا اس تجلی اولیٰ کو اسماء اور صفاتِ خداوندی میں سے ایک قرار دیتی ہے جسے نہ ہر اعتبار سے ذاتِ الٰہی کہہ سکتے ہیں نہ ہر اعتبار سے غیر ذات اور وہ خدا کی ذات سرمدی کے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے قدیم بھی کہلائی جا سکتی ہے اور حادث بھی۔ اس تفصیل سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اقوام و ملل خود "عماء" کو کائنات سے تعبیر نہیں کرتے بلکہ عماء کو اس حیثیت سے عالم کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ حقائق ممکنات کی تصاویر کو نمائش کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ اس نکتہ پر غور کیجئے۔

سادہ الفاظ میں اس تمام نکتہ آفرینی کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی وہ سادہ لوح جس پر ہر ذرہ کائنات کا فوٹو اتارا گیا یا وہ سانچہ جس پر ہر چیز کو ڈھالا گیا۔ زمانہ کے لحاظ سے یقیناً قدیم ہے اور

یہی وہ جگہ ہے جہاں غیر سامی اقوام نے ٹھوکر کھائی اور اس نازک فرق کو محسوس نہ کر سکے۔ ورنہ مادہ اور اس کے ہیولیٰ نہیں بلکہ ہر گونہ وجود کی طبیعت ہیولانیہ میں امتیاز کر سکنے سے محروم نہ رہتے۔ حالانکہ مادہ تو رہا ایک طرف اس کا بلکہ تمام مجردات کا ہیولے تک بھی خدا کی قدامت و ازلیت سے آشنا نہ تھا ۔ہاں اگر ارادہ اور مشیت الٰہیہ کے تابع تسلیم کرتے ہوئے مادہ نہیں بلکہ ہیولیٰ یا اس کی طبیعت ہیولانی کو قدیم کہا جائے تو غلط نہ ہو گا۔

تاثیر کواکب و طلسمات ہمارے علمار کا یہ عام اصول ہے کہ وہ علم نجوم، رمل، جفر، فال، طلسمات، عیافت، طیرہ، ہامہ۔ عدویٰ وغیرہ کو ناقابلِ تسلیم یقین کرتے ہیں حتیٰ کہ حماقت اور ان علوم میں ان کے نزدیک ایک انچ کا بھی فاصلہ نہیں لیکن ہمارا مجدد ان علوم میں انہماک نہ کرنے کا فلسفہ بتاتے ہوئے صاف اور ناقابل تاویل تفصیلات کے سایہ میں کواکب وغیرہ کے اثرات اور وسیع ترین اثرات کو ایک سچی حقیقت بھی قرار دیتا ہے اور ان فلسفیانہ استدلالات کے سایہ میں جو روحانی ارتقار کا نتیجہ تھے۔ تاریخ امم کے اوراق میں جس حقیقت کی سچائی ثابت ہو چکی ہو اس کو یکسر مغالطہ کہنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

شاہ صاحب کواکب اور ارواحِ کواکب کی ان تمام قوتوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کا مشاہدہ کر کے ستارہ پرستی کا آغاز کیا گیا تھا۔ ان کے نزدیک اگرچہ ان میں سے کسی ایک میں بھی کوئی ایسی "تاثیر قدسی" نہیں کہ اس کی بنا پر پرستش کی اجازت دی جا سکے۔ لیکن ودیعتِ الٰہیہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مادی حقائق کی غیر محسوس قوتوں کو ضرور ماننا چاہئے۔ خواہ ایک قانون اور نظام کی گرفت میں ہونے کی بنا پر وہ ذاتی طور پر ایک ذرہ کو بھی جنبش نہ دے سکتے ہوں۔

چند مختصر اور جامع عبارتیں نقل کرتا ہوں تاکہ تھوڑا بہت اندازہ کیا جا سکے۔ ورنہ شاہ صاحب کی اگر ان تمام تفصیلات پر بحث کی جائے جو ان کی تصنیفات میں موتیوں کی طرح بکھری پڑی ہیں تو مستقل اور بسیط موضوع تلاش کرنا ہو گا وہ عبارتیں حسب ذیل ہیں۔

عالم عناصر وانچہ در عناصر متعین است ہمہ مسخر کواکب است۔ [۵۱]

عناصر کی تمام دنیا ؟ استعداد عناصر میں پائی جاتی ہے ستاروں کی تابع فرمان ہے۔

بالجملہ ایں قدر باید دانست کہ در اختلاف احوال فلک را دخل قوی است در اختلاف احوالِ عارف و در اختلاف افاضۂ ہیئات روحانیہ ملکیہ بہ اہلِ ارض۔

کم از کم اتنی بات ضرور آپ کو یاد رکھنی چاہئے کہ اولیائے کرام کی مختلف قلبی کیفیات (کبھی قبض و تنگدلی اور کبھی بسط و کشادگی) میں بروج وکواکب کو بہت زیادہ دخل ہے اور ایسے ہی اس فیضان میں کمی بیشی بھی جو اشکالِ روحانی کے ذریعہ زمین والوں پر ہوتا رہتا ہے ستاروں ہی کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

شب قدر شبے است کہ در آنجا ہیئات فلکیہ مقتضی شیوع ہیئات روحانیہ ملکیہ باشد مقارن با برکاتِ صیام وقیامِ مسلمین۔ [۵۲]

شب قدر اس رات کا نام ہے جس میں بروج وکواکب کی مخصوص اشکال کا تقاضہ ملکوتی روحانیت کو ساری دنیا میں پھیلانا ہے۔ روزہ اور شب بیداری کی برکات کے پہلو بہ پہلو۔

والاصل الثانی لھولاء المشائخ انھم اختاروا اوقاتاً تتغلب فیہ روحانیۃ الکواکب المنسوب الیہ الامر المطلوب وارادوا ان یودعو قواھا فی شی لیحصل ھذا الشئ فطرحوا تصویر

عمل اور وظائف کا شغل رکھنے والے مشائخ کے واسطے دوسری علمی بنیاد یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے اپنے عمل و وظیفہ کے لئے ایسے اوقات کا انتخاب کر لیا جن میں کواکب کی وہ روحانی طاقتیں کائنات پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں جو کسی مخصوص مقصد کی کامیابی کے لئے موزوں ہو سکتی تھیں۔ پھر انھوں نے چاہا کہ ان قوتوں کو کسی

---

۵۱ تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص ۱۳۱۔ ۵۲ ایضاً ص ۹۱۔

الصور واستبدلو چیز میں پیوست کردیں تاکہ خود اس چیز ہی میں وہ تاثیر پیدا ہوجائے
مکانہ کتابۃ الاسماء تصاویر و اشکال کو ان لوگوں نے ٹھکرا دیا اور اس کی جگہ اُن
والایات علی نحو مخصوص اسمائے الٰہی اور آیات قرآنی کی کتابت کو رکھ دیا گیا جو اس وقت
بذلک الکواکب[1] کی ہیئتِ فلکی اور اس کے خواص سے معنوی مناسبت رکھتی تھیں۔
وان عطارد اکثر الکواکب حظوظاً من عطارد سے بہت زیادہ فرشتے وابستہ ہیں کیونکہ اس
الملائکۃ وذلک لان فیہ قوۃ ھوائیۃ میں ہوائی عنصر کی قوت ہے اور نچلے درجے کے
والھواء یتکون لھذا الملائکۃ السفلیۃ فرشتے ہوا سے ہی پیدا ہوتے ہیں لہذا حکمتِ الٰہی
وکان من حکمۃ اللہ ان اوجد کا تقاضا ہوا کہ اس سے بہت زیادہ فرشتوں کو
ملائکتہ والھمت فی انفسھا وابستہ کردیا جائے اور ان کی فطرت میں یہ جذبہ
ان یخدموا الاعداد والحروف ودیعت کردیا کہ اعداد، حروف، اوضاع، اور قوتِ
والاوضاع والافکار ونحوھا[2] متخیلہ جیسے حقائق کی خدمت انجام دیں۔
نعثر بعض الحکماء علی خواص بعض فلاسفہ کو بھی حروف، اعداد، گوناگوں
الحروف والاعداد والاشکال اشکال وہیأت کے خواص اور ان ملکوتی قوتوں کا
والملائکۃ الخادمۃ لھا واستنبطوا علم ہوگیا جو ان خواص کو بروئے کار لاتی ہیں اور اس
لسیمیا وھو التصریف فی العالم بنا پر وہ علم سیمیا ایجاد کرسکے جس کی غرض و غایت
بواسطۃ ھذہ الخواص وبقی علیھم ان ہی خواص و اثرات کے ذریعہ کائنات پر اقتدار
علوم ما استخرجوھا بعد حق حاصل کرنا تھا۔ لیکن پھر بھی بعض علوم ایسے باقی
الاستخراج وھی التصریف فی العالم رہ گئے جن کے متعلق آج تک فلاسفہ پوری

۱؎ تفہیمات ج ۱ ص ۹۱۔ ۲؎ ایضاً ص ۹۳۔

بواسطة اوضاع الانسان وخيالاته	تحقیقات نہ کرکے مثلاً اوضاعِ انسانی اور
مثلاً وانما بنشاء العيافة	قوت متخیلہ[۵۱] کا علم عیافت وطیرہ بھی خاص وضع
والطيرة من معرفة خواص	وہیئت کے خواص واثرات ہی کی معرفت سے
الاوضاع ۔ ۵۲	پیدا ہوئے تھے۔
والجفر منشاءه عطارد وذلك لان	علم جفر ستارۂ عطارد سے پیدا ہوا کیونکہ جو کچھ دنیا
النظام الكائن في العالم له	میں ہونے والا ہوتا ہے۔ اس کی تصویر عطارد کی
صورة في خيال عطارد وربما	لطیف ترین تخیلی قوت میں پیشتر سے نقش ہو جاتی
عثر الانسان على قاعدة يتعرف	ہے۔ اور بعض اوقات انسان کو اس طریقہ کا
بها بعض الحوادث العالم	پتہ چل جاتا ہے جس سے ان ہونے والے واقعات
قبل وقوعه ۵۳	کا علم ہو سکے جن کی تصویر عطارد میں کھنچ چکی تھی۔

علاوہ ازیں حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۷۶ و ۲۷۷ میں بھی ان تمام چیزوں پر الگ الگ بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ان سب کی کیا اہمیت ہے اور شریعت الٰہیہ نے کس بنیاد پر ممانعت کی تھی۔ مثلاً فرماتے ہیں۔

---

۵۱ حکماء مغرب مسمریزم، روحانی طریقہ علاج اور پروپیگنڈے کے نام سے اس کی کو بھی ایک حد تک پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اوضاعِ انسانی کا علم ہنوز تشنۂ تحقیق ہے۔ شاید اوضاع سے مراد وہ اقلیدسی اشکال وہیئات ہوں۔ جو ایک انسان نشست وبرخاست کی گوناگوں حرکتوں سے پیدا کر سکتا ہے اور جس سے ہندوستانی رہبانیین اپنی عبادات و ریاضیات میں کام لیا کرتے تھے۔ یا جس سے مقررین کام لیتے ہیں تاکہ جذبات اور خیالات میں ایک ہنگامہ پیدا کر سکیں روزانہ کی زندگی میں بھی لوگ مختلف اوضاع اور اشکال سے اپنے خاص تاثرات کا اظہار کرتے اور دوسروں کو متاثر کرنا جانتے ہیں اور ممکن ہو کہ ریسرچ کرنے پر یہ معمولی چیز بھی ایک علم وفن کی حیثیت اختیار کر سکے۔ جیسے خواب اور جذبات ایک مستقل علم ہو گئے ہیں۔ ۵۲ تفہیمات ج ا ص ۹۴۔ ۵۳ ایضاً

واما الرقی فحقیقتھا التمسك	گنڈے تعویذ کی حقیقت یہ ہے کہ ان میں لیسے الفاظ
بکلمات لھا تحقق فی المثال	وکلمات درج ہوتے ہیں جن کے نقوش عالم مثال
واترو القواعد الملیہ	پر بھی ثبت ہوتے ہیں۔ احکامات شرعیہ کے لحاظ
لا تدفعھا ما لم یکن فیھا	سے ان کی کوئی ممانعت نہیں اگر شرک کا کوئی
شرك۔	شائبہ نہ پایا جاتا ہو۔
واما الفال والطیرہ فحقیقتھا	فال اور طیرہ کی اصلیت یہ ہے کہ آسمانی فرشتوں کو
ان الامر اذا قضی بہ فی	جب کسی قسم کا حکم دیا جاتا ہے تو کبھی کبھی ہونے والے
الملاء الاعلیٰ ربما تلونت	واقعات کوئی رنگ قبول کر لیتے ہیں جن میں عکس
بلونہ وقائع جبلت علیٰ سرعۃ	قبول کر سکنے کی صلاحیت زیادہ ہو۔ مثلاً دل میں
الانعکاس فمنھا الخواطر و	بغیر خاص سبب کے کسی اندیشہ کا پیدا ہو جانا، یا
منھا الالفاظ التی یتفوہ بھا من غیر	بے ساختہ اچھے یا برے الفاظ کا زبان سے نکل جانا
قصد معتد بہ وھی اشباح الخواطر	دراصل یہ چیزیں پوشیدہ ذہنی اور نفسی تاثر کی
الخفیہ التی یقصد الیھا بالذات	ترجمانی کے سوا کچھ نہیں ہوتیں۔

بہر حال ان عبارتوں سے آپ کو اتنا اندازہ ضرور ہو گیا ہو گا کہ تمام حقائق ہمارے مجدد کے نزدیک معتبر ہیں اور ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ افسوس ہے کہ قلت گنجائش کی بنا پر پوری تفصیلات جن سے شاہ صاحب کی بلند پایگی کا درست ترین اندازہ ہو سکتا تھا پیش کرنے سے معذور ہوں ورنہ کبھی اس علمی گناہ کے لئے اپنے دل و دماغ کو تیار نہیں کر سکتا تھا۔

مضمون شب ہجراں کی درازی سے کہیں دراز تر ہوتا جا رہا ہے اور ادھر شاہ صاحب کے علمی نکات کا آفتاب ہے کہ اب ہی تک پوری طرح طلوع بھی نہ ہو سکا۔ غروب ہونے کا کیا ذکر۔ اس لئے

ذہنی کشمکش کسی فیصلہ تک پہنچنے کی اجازت نہیں دے رہی۔ مجبوراً ختم کرنے سے پہلے یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ان صدہا حقائق اور علمی خصوصیات میں سے جن کو میں پیش کرنا چاہتا تھا اور عدم گنجائش کی وجہ سے ان کے تمام پہلوؤں کو روشن نہیں کرسکتا۔ حسب ذیل ہیں۔

استعداد اور فیضان | دورہ علم و فلسفے کے مجدد کا دعویٰ ہے کہ اس کائنات میں کوئی چیز بغیر استعداد طبعی یا غیر طبعی کے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ نبوت کو فطری خصائص و ملکات سے علما کے نزدیک کوئی واسطہ نہیں بلکہ محض خدا کے فضل پر موقوف ہے۔ ہمارے مجدد کے نزدیک یہ نظریہ بھی تفصیل و تشریح اور تنقیح کا محتاج ہے۔ کوئی شخص بغیر نبوت کی فطری استعداد کے ہرگز نبوت کے مرتبہ پر فائز نہیں ہوسکتا علیٰ ہذا صدہا علمی پیچیدگیاں صرف اس ہی نکتہ سے سلجھائی جاسکتی ہیں۔ اقوام و ملل کی ہر ترقی اور ہر تنزل بھی استعداد پیدا کرلینے پر ہی موقوف ہے۔ جب تک کوئی قوم اس نفسیاتی، اخلاقی اور علمی معیار کو رگ و ریشہ میں پیوست نہیں کرلیگی جو ہر قسم کے ارتقار کے لئے شرط اول ہے ہرگز ترقی نہیں کرسکتی۔ تقدیر اور فضلِ الٰہی استعداد کے سایہ میں ہی پرورش پاسکتے ہیں۔ الا ماشار اللہ۔ معنویت سے تہی خواب آلودگی کے ذریعہ نہیں۔ تقدیر اور خدا کے فضل پر بے معنی طریقہ پر بھروسہ کرکے بیٹھ جانا یا یہ سمجھنا کہ فلاں قوم کے لئے خدا نے حکومت اور فلاں کے لئے غلامی کو مقدر کردیا ہے اس لئے کوئی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی اتنی بڑی بے وقوفی ہے کہ اس سے زیادہ بے وقوفی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

نظریہ عصمتِ انبیا | عصمتِ انبیار کا وہ عام تخیل جو ذہنی کمزوریوں میں سے ایک تھا اور جسے اس بشریت سے کوئی ربط و تعلق نہیں جس کو قرآن نے " انما انا بشر مثلکم " کا دعوے کرتے ہوئے انبیا کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ ہمارے مجدد نے بالکل شکست کردیا۔ اور تفہیماتِ الٰہیہ میں بتا دیا کہ چونکہ اولیا کی عصمت اخلاق و ملکات کی بنیادوں پر ہوتی ہے اس لئے ان کی ہستی خود ایک مستقل عصمت ہوجاتی ہے لیکن چونکہ انبیار کا ہر انسانی پہلو کے لحاظ سے عام انسانوں کی طرح ہونا ضروری ہے اس لئے عصمت ان کے رگ و پے

میں سرایت کئے ہوئے نہیں ہوتی بلکہ احاطہ کئے ہوئے ہوتی ہے لیکن ان میں زہد و اتقا کا وہ اندازہ نہیں ہوتا جس کا تقاضہ تھا کہ کوئی تصور اور کوئی جذبہ بھی عام فطرت انسانی کے تقاضہ سے پیدا نہ ہو بلکہ انبیا ہر وہ جذبہ رکھتے، ہر وہ تصور کرتے اور ہر مسرت و غم کا اس ہی انداز سے استقبال کرتے ہیں جیسے کہ ہر دوسرا شخص ہاں اگر کہیں پر ان کے قدم کو لغزش ہوتی ہے تو وہ ملائکہ جو انبیا کی پاسبانی کرنے اور ان کے دل و دماغ کو گمراہی سے بچانے پر مقرر ہیں ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو تھام لیتے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لیکر حضرت یوسفؑ اور ان کے بعد تک کی تمام لغزشوں کی علمی توجیہ اگر کوئی ہو سکتی ہے تو اس سے بہتر ممکن نہیں۔

ؔ شاہ صاحب کی اس توجیہ سے کئی علمی نکات حل ہو جاتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ حضرت یوسفؑ کا "ہم" جو زلیخا جیسی انسانی فطرت کا تقاضہ تھا اس لئے گناہ کی فہرست میں شامل نہیں ہو سکتا کہ حضرت یوسفؑ نے بخلاف زلیخا کے تقاضائے فطرت سے تجاوز نہیں کیا۔ ریڈیو یا ٹیلی وژن کی کوئی لہر، حضرت یوسف کی آواز یا حرکت و عمل کے ارتعاشات جذب نہ کر سکی۔ حالانکہ زلیخا کے نغموں اور نقوشِ عمل سے کائنات کی سادہ لوح ناگوار نفسی تاثر کا عکس قبول کر چکی تھی۔ ایک کے گناہ کا کوئی گواہ نہ تھا اور ایک کے جرم کی دنیا گواہ تھی۔ لیکن اولیائے کرام کا معاملہ جدا گانہ ہے۔ وہ روحانیین کے نزدیک خیال، جذبہ اور تقاضائے فطرت کی حد تک بھی ملکوتی فطرت کے خلاف عمل کرنے پر اپنے آپ کو بازپرس کا مستحق خیال کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ملکوتی فطرت کے شاہکار بنا دیئے جاتے تو انسانی فطرت کے لئے ان کے ذریعہ کوئی "اسوۂ حسنہ" پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عام لوگ زہد و تقوٰی میں انبیاء تو کجا اولیاء کے نقش قدم پر بھی نہیں چل سکتے۔ عام انسانی فطرت کا تقاضا ملکوتیت سے کوئی نسبت ہی نہیں رکھتا یا یوں کہنا چاہئے کہ بہت ہی کم نسبت رکھتا ہے۔ پھر قرآن اتباعِ ناجنس کا مطالبہ ہی کیوں کر کر سکتا تھا۔ جب باہم فطرتوں میں کوئی مشابہت نہ ہو تو ایک فطرت دوسرے کے لئے کس طرح نمونہ بن سکتی ہے۔ "انما انا بشر مثلکم" کا مطلب ہی یہ ہے کہ انسانی فطرت کے حد تک انبیاء اور عام انسانوں کے فطری مطالبات قطعاً یکساں اور مساوی ہوتے ہیں۔ جس چیز کو کسی آدمی کا دل عام طور پر چاہتا یا چاہ سکتا ہے انبیا کا دل بھی اس ہی چیز کو چاہتا ہے۔ یہ نہیں کہ ان کا دل مرچکا ہو اور نفسِ انسانی کے جذبات اور اس کی آرزوئیں دفن ہو چکی ہوں۔ لہذا بالکل اپنے جیسے آدمی کو نبوت و پیغمبری کے سانچہ میں ڈھلا ہوا دیکھ کر جہاں ہمارے دل میں خدا کی ہستی کا اذعان پرورش پاتا ہے وہیں پر اتباع و پیروی کے امکانات بھی زیادہ سے زیادہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

محمد عربی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وقتِ نزع انتہائی اضطراب جبکہ صدہا اولیاء کے متعلق آپ نے سُنا ہوگا کہ بڑی آسانی سے جان نکل گئی۔ کیا یہ نہیں بتاتا کہ انبیاء عام انسانی فطرت سے بالاتر نہیں پیدا کئے گئے اور ان کی عبادات اولیاء کے اس درجہ تک نہیں آتار سکتیں جو کائنات انسانی کو پیغامِ الٰہی پہنچانے والے کے لئے موزوں نہیں ہوسکتا۔

افضلیتِ شیخین | حضراتِ شیخین کی تفضیل پر جس شرح وبسط کے ساتھ اور جتنے نازک پہلوؤں پر ہمارے مجدد نے سیر حاصل بحث کی ہے اور جس اچھوتے انداز میں اس کی داد نہیں دی جاسکتی۔ تنہا یہ ہی امتیاز ایسا ہے کہ ہزار سالہ دور میں بھی اس کا جواب پیش نہیں کیا جاسکتا۔ ازالۃ الخفاء میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ایک سیاسی اور علمی پہلو تھا۔ اور تفہیماتِ الٰہیہ میں جن نکات کو حل کیا ہے وہ یکسر روحانی علوم کی

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) بشریت کے ساتھ "مثل" کا اضافہ کوئی خاص معنی رکھتا ہے اور وہ ہمارے مجدد کے اس نظریہ سے ہرگز مختلف نہیں ہوسکتا جس کی تفسیر کا حق شاید میرے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا تیسرے یہ کہ اگر عصمت اکتسابی اور دہبی دونوں حیثیات میں یکساں طور پر فطرتِ انسانی کو تبدیل کر دیا کرتی ہو تو نہ صرف یہ کہ پیغمبرانہ شان اور اولیاء کے انداز میں کوئی فرق باقی نہ رہتا جس سے باہم امتیاز کیا جاسکے۔ بلکہ خدا کے وجود پر جو روشنی عصمتِ محیطہ سے پڑ سکتی تھی وہ بھی تاریکیوں میں گم ہوجاتی۔ ریاضت ومجاہدہ اور فطرتِ انسانی میں ملکوتیت کا کوئی رنگ جذب ہونے کے باوجود گناہوں سے باز رہنا عقلی طور پر اس وقت تک محال ہے جب تک کہ مافوق الفطرت امرِ الٰہی کا فیضان نہ تسلیم کر لیا جائے۔ اعمالِ روحانیہ اور تغیرِ فطرت کے بعد وہ کسی طرح ہوسکا ہو علت اور پاکیزہ ترین عصمت قوانین فطرت کے تحت سمجھ میں آسکتی ہے مگر ان دونوں صورتوں کے بغیر عصمت اور پاکبازی کا مکمل ارتقاء جب ہی ممکن ہوسکتا ہے کہ فطرت اور اس کے قوانین سے بالاتر کسی طاقت کو تسلیم کر لیا جائے۔ انبیاء کی عصمت دراصل خدا کے وجود کا ایک مستقل ثبوت ہوتی ہے اور ناقابلِ انکار ثبوت۔ اگر انبیاء اور اولیاء کی عصمت کو یکساں قرار دیدیا جائے گا خواہ کسبی اور وہبی کی ناقابلِ یقین اور علمِ انسانی سے بالاتر حدود قائم کرتے ہوئے کیوں نہ ہو تو پیغمبرانہ عصمت عقلِ عمومی کے لئے ہر اس جذب وکشش کو ضائع کر دے گی جو خدا کی ہستی کے یقین تک بآسانی پہنچا سکتی تھی۔ ابوالنظر رضوی۔

تراوش ہیں۔ خدا اُس پاک روح کو بے اندازہ مسرت نصیب کرے جس نے صوفیہ اور علماء کی عام خوش اعتقادیوں سے بالاتر ہو کر مکاشفہ کے ذریعہ پیغمبر اسلام کی روح سے علمی استفادہ کر کے اور اپنے روحانی ارتقاء کو کام میں لا کر بتا دیا کہ تمام دنیا تک جو کچھ روشنی آفتابِ نبوت کی پہنچ سکی وہ شیخین ہی کے فانوس کی منعکسہ شعاعوں سے انتہائی درجہ تک مخلوط ہو کر تھی۔ آفتابِ نبوت کے ہر سمت شیخین کے یہ ہی دو آئینہائے پیغمبری تھے جن سے نبوت کی ہر شعاع ٹکراتی اور منعکسہ شعاعوں کو باہم آمیز کرتی ہوئی ساری کائنات کو تابندہ تر کرتی تھی۔ حضرت علیؓ نظامِ قمری کی طرح نظامِ شمسی سے جداگانہ نوعیت رکھتے تھے۔ کیونکہ ولایت کا سلسلہ اور اس کا نظام، نبوت سے جداگانہ حیثیت ہی رکھ سکتا ہے جس ہستی نے علمِ دین، انسانی عقل اور روحانی مکاشفہ سے تفضیلِ شیخین کے لئے کام لیا ہو اور تصنیفات و خطوط دونوں میں وہ ہمارے مجدد کے سوا اسلامی دنیا میں کون ہوا ہے؟

بیا در رید گر ایں جا بود سخندانے

اہل بیت نبوی اور ان کی اقسام اہلِ بیت رسولؐ کون تھے اور کون نہیں۔ اِن مباحث کا آپ نے مطالعہ کیا ہوگا۔ لیکن کسی کو آپ نے یہ بتاتے ہوئے نہ دیکھا ہوگا کہ اہلِ بیت کا مفہوم اتنا غیر متعین کیوں ہو گیا کہ فیصلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ صاحب نے اس راز کو بھی بیان کر دیا۔ بات یہ تھی کہ جامعیت کے ساتھ بحث نہیں کی گئی۔ کسی نے کوئی بنیاد قائم کر لی کسی نے کوئی۔ حالانکہ اہلِ بیت کا ثبوت تین[۵۱] طریقوں سے فراہم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن، حدیث اور قوانینِ حکمت یعنی عقلِ عمومی[۵۲] سے۔ قرآن سے تو ازواج

---

[۵۱] الخیر الکثیر۔ خزانہ سابعہ ص ۸۹۔

[۵۲] میں نے حکمت کا ترجمہ یہاں پر عقلِ عمومی سے کیا ہے۔ شاید کوئی صاحب "حسنِ ظن" کے تحت اس ترجمہ کو "تصرف" قرار دیں اس لئے یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ شبہ پیدا ہوتے ہی شاہ صاحب کی تصنیف "البدور البازغہ" ص ۴۰ پر تعریف حکمت دیکھئے۔ حکمت کے تین اجزاء بدیہیات، نظریات اور عقل ناسوتی (مادی) یا جسے مذہبی دنیا میں شرع کہتے ہیں بتانے کے بعد فرماتے ہیں ولیست الحکمۃ نقصد بہا ضہا عندنا ما اختص بہ اصحاب الفلسفۃ (باقی صفحہ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

کا اہلِ بیت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ حدیث سے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کا اور عقلِ عمومی سے چہارتن کا جس کی بنیاد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مجازاً "ابناءنا" میں داخل کرنے، اولادِ نرینہ نہ ہونے کی صورت میں نواسوں کی مسلمہ اہمیت اور جو کچھ بھی جزئیتِ رسول کا شائبہ پایا جاتا ہے اس کا چہارتن سے ہی وابستہ ہونے کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس طرح ازواجِ بنو ہاشم وغیرہ اور حضرت علیؓ کے اہلِ بیت ہی میں داخل ہو جاتے ہیں اور اس کا درست ترین اندازہ ہو جاتا ہے کہ اہلِ بیت میں ہونے کا حق سب سے زیادہ کس کو ہے اور سب سے کم کس کو۔ کیا مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے گی کہ اس نوع کی تقسیم کسی دوسرے عالم نے آج تک نہیں کی۔

ان حقائق کے علاوہ بھی بہت سے حقائق ہیں۔ مثلاً ہونے والے واقعات کی تمثیلات کا وقوع سے پیشتر ساری کائنات پر نقش ہو جانا اور طرح طرح سے لوگوں کو اس کا علم ہونا جس کو شاہ صاحب نے اپنی اکثر تصنیفات میں مختلف پہلوؤں سے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے حتیٰ کہ دل کی گہرائیوں میں اتر جائے۔ ایسے ہی یہ بھی بتایا ہے کہ ہر عمل[1] ہر واقعہ اور ہر معنی کی ایک روح ہوتی ہے۔ یا مثلاً یہ علمی نکتہ کہ ہر عمل کے نقوش جذب رکھنے کے لئے ایک مستقل عالم ہے۔ ہر عمل کی ایک خاص تمثیلی شکل ہوتی ہے اور ہر عالم میں اس کے قانونِ حیات کی مناسبت سے۔

یہیں سے عالمِ برزخ کے خدوخال بھی نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں جس کے متعلق شاہ صاحبؒ نے ایسی علمی بحث کی ہے کہ شاید اس سے بہتر طریقہ پر کسی دوسرے نے بحث نہ کی ہوگی۔ اگر آپ

---

[1] عمل کی روح یا کائنات پر اثر انداز ہو سکنے والی طاقت پر "نظریہ موت اور قرآن" میں بحث کر چکا ہوں۔

الف حاشیہ صفحہ گذشتہ ولا ما اختص بہ الصوفیہ ...... بل ما یھتدی بہ اصحاب الامزجۃ السلیمۃ الی معائشھم والی علومھم من قبل سمعھم۔ حکمت سے ہماری مراد فلسفہ یا صوفیہ کا علم روحانی نہیں بلکہ وہ حکمت ہے جس سے سنجیدہ مزاج لوگ اپنی معاشی زندگی اور اپنے انسانی علوم میں روح حیوانی کے توسط سے کام لیتے ہیں) کیا ایسی حکمت کے قوانین عقلِ عمومی کے اصول سے کچھ مختلف نوعیت رکھ سکتے ہیں۔ ابوالنظر رضوی

اجازت دیں تو یہ عرض کردوں کہ مجھے تو موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اور جس رنگ میں ہوتا ہے اس کا یقین شاہ صاحب ہی کی تصنیفات دیکھنے کے بعد پیدا ہو سکا۔ ورنہ ہمارے علما تو ایسے غیر علمی انداز میں بتاتے ہیں کہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

ایک اور علمی مسئلہ پر بھی شاہ صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں کافی بحث کی ہے اور وہ نسمہ یا روحِ حیوانی کے لطیف ترین اجزا کا انسان کے ساتھ باقی رہنا ہے اور اپنی تمام باطنی قوتوں کے ساتھ تاکہ عالمِ برزخ میں عذاب و ثواب کے امکانات پیدا ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارا مجدد ہی وہ تنہا مجدد، فلسفی اور روحانی انسان ہے جس نے "حدیثِ نسمہ" کو عالمِ برزخ کے حقائق سمجھانے کے لئے یہاں تک وسعت دی کہ کوئی گوشہ تاریک نہ رہ سکا۔ صدہا ذہنی شبہات جو عذابِ قبر اور ان استعدادات سے وابستہ تھے جو موت کے بعد بھی انسان میں باقی رہ جاتی ہیں اس طرح دفن ہو جاتے ہیں کہ دوبارہ زندہ ہو سکنے کا تصور بھی قائم نہیں کیا جا سکتا۔

کہاں تک لکھا جائے مستقل تصنیف ہی شاہ صاحب کی علمی خصوصیات پر بحث کرنے کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔ کسی مضمون کے ذریعہ اس دریا کو کوزہ میں بند کرنا محال ہے۔ خدا کی عنایات واقعی شاہ صاحب کے حال پر مبذول تھیں اور ان کو واقعی مجددیت کا مرتبہ دیا گیا تھا جیسا کہ انھوں نے بار بار دعویٰ کیا ہے ورنہ آج کی دنیا میں جبکہ علمی اور سیاسی دنیا کا رنگ بالکل انقلاب کی آندھیوں اور طوفانوں سے بدل چکا ہے ہمارے مجدد کی علمی اور سیاسی لائنوں پر مسلمانوں کو واپس لانے کی کوشش نہ کی جاری ہوتی اور حضرت مولانا عبید اللہ سندھی کو شاہ صاحب کے انقلابی پروگرام کا علم بردار نہ بنایا جاتا۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ شاہ صاحب نے جو اصلاحی اسکیم اجتماعی اخلاقیت کو ارتقا پذیر بنانے اور جو سیاسی پروگرام "انقلاب زندہ باد" کے نعروں میں تازہ روح پھونکنے کے لئے پیش کیا تھا اسے مسلمانوں کے سامنے رکھ سکوں۔

کاش مولانا عبیداللہ سندھی[1] اس علمی اور سیاسی خدمت کو انجام دیتے جو ہمارے زمانہ کی عملی سیاست کا بھی کافی تجربہ رکھتے ہیں اور شاہ صاحب کے نظریات کا بھی وسیع مطالعہ کر چکے ہیں۔ دیکھئے قدرت نے اس کام کے لئے کس کا انتخاب کیا ہے اور کس کا نہیں۔

فانتظروا انی معکم من المنتظرین ہ

---

[1] یہ مضمون مولانا سندھی کی تصنیفات سے پہلے لکھا گیا تھا مگر میرا آج بھی یہی خیال ہے کہ شاہ صاحب رح کی مکمل اسکیم ہنوز تشنۂ تفسیر ہے۔ شاہ صاحبؒ نے چونکہ ملاء اعلیٰ کی اس مرضی کا علم حاصل کر لیا تھا کہ محنت پیشہ طبقات کا اقتدار ہونے والا ہے اور صنعتی انقلاب آئے گا جیسا کہ ان کی تصانیف میں اس چیز کا واضح تذکرہ ملتا ہے اس لئے ان کا مجددانہ فرض تھا کہ اس دور کے شعوری ارتقاء، علوم کی کثرت اور محنت پیشگی کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی پروگرام پیش کرتے۔ اور انھوں نے ایسا کیا ہے۔ مگر اس کے لئے ایک شارح اور مفسر کی ضرورت ہے تاکہ اجمال کی تفصیل کی جا سکے۔ (ابوالنظر رضوی)

ارباب مدارسِ عربیہ متوجہ ہوں

مجھکو ہندوستان کے تمام مدارسِ عربیہ کی ایک مکمل فہرست مع ان کے حالات کے مطلوب ہے اربابِ مدارس سے درخواست ہے کہ وہ حسب ذیل امور کے متعلق مجھکو معلومات بہم پہنچائینگے تو میں ان کا بڑا ممنون اور شکر گذار ہوں گا۔

(۱) مدرسہ کا نام کیا ہے، کب بنا اور کس نے اس کی بنا ڈالی؟

(۲) مدرسہ میں کتنے طلبا تعلیم پاتے ہیں؟

(۳) نصاب تعلیم کیا ہے؟ اور اس کے لئے کتنے سال کی مدت تجویز کی گئی ہے؟

(۴) طلبار کے قیام و طعام کی کیا صورت ہے؟

الملتمس

سید مناظر احسن گیلانی

صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن